’’دوگز زمین‘‘: ہجرت کے المیے کا منظر نامہ

(اسلم آزاد)

تعارف

بیسویں صدی کے ربع آخر میں اُردو فکشن کے دامن پر جن تخلیق کاروں نے سلماں ستارے ٹانکنے کی کوشش کی اُن میں عبدالصمد یقیناً ایک اہم نام ہے۔ یوں تو عبدالصمد نے افسانہ نویسی میں بھی اپنے فکری اور جمالیاتی جوہر کو آشکار کیا لیکن مجموعی طور پر ناول ہی اُن کی لسانی فن کاری اور وسیع کینوس کو سمیٹنے کی ہنر مندی کا شناخت نامہ متصور کیا جاتا ہے۔ تحریکِ خلافت، برصغیر کی آزادی، تقسیم ملک، فسادات، ہجرت اور قیامِ بنگلہ دیش اِن کے اہم موضوعات میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں پروفیسر اسلم آزاد نے عبدالصمد کے مشہور ناول ’’دوگز زمین‘‘ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مقالہ نگار نے تجزیاتی مطالعے کے دوران ناول کے جن پہلوؤں پر توجہ کی اُن میں ہندستان میں مسلمانوں کی بے وقعتی اور بے بسی، فرقہ وارانہ فسادات، ہجرت کا کرب، کانگریسی سیاست کی بوالعجبیاں، مسلم لیگی سیاست دانوں کی اٹھکھیلیاں، سراغ رساں اداروں کی پریشان کُن حرکتیں، لوٹ مار، ہندستان میں مسلمانوں کی معاشی پستی، مغربی پاکستان میں مہاجروں کی اجنبیت بطورِ خاص اہم ہیں۔ مقالہ نگار کے مطابق ناول نگار نے ان اہم موضوعات کو اپنی تخلیقی فن کاری کے ذریعے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چوں کہ ناول نگار خود سیاسیات کے مدرس ہیں اس لیے انہوں نے ’’دوگز زمین‘‘ میں آزادیٔ ہند سے چند برس قبل سے لے کر قیامِ بنگلہ دیش تک کی سیاست کا مکمل اور مربوط نقشہ کھینچا ہے۔ مضمون نگار نے ناول کے بنیادی اور ذیلی کرداروں کے حوالے سے اپنی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ ادارہ ’ترسیل‘ پُر امید ہے

کہ یہ مضمون فکشن کے شائقین کے لیے اہم ثابت ہوگا۔

اہم لفظیات: تحریکِ خلافت، مسلم لیگ، قیامِ بنگلہ دیش، حقیقت نگاری، سیکولرازم، آزادیٔ ہند، تقسیمِ برصغیر، فرقہ وارانہ فسادات، کانگریسی سیاست، علاقائیت، معاشی عدمِ استحکام، تخلیقی بصیرت، تخئیلی قوت، ملکی اتحاد۔

عبدالصمد کا شماراس عہد کے ممتاز فکشن لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ وہ ناول اور افسانہ دونوں میں یکساں فنی مہارت رکھتے ہیں۔ ’’دوگز زمین‘‘ (۱۹۸۸ء) ’’مہاتما‘‘(۱۹۹۲ء) ’’خوابوں کا سویرا‘‘ (۱۹۹۴ء) ’’مہاساگر‘‘ (۱۹۹۹ء) اور ’’دھمک‘‘ (۲۰۰۴ء) ان کے پانچ مشہور ناول ہیں، جن میں ’’دوگز زمین‘‘ کو۱۹۹۰ء میں ساہتیہ اکادمی انعام سے نوازا گیا۔

’’دوگز زمین‘‘((۱۹۸۸ء) کا آغاز تحریک خلافت سے ہوتا ہے اور اختتام قیام بنگلہ دیش پر، اس لئے ناول میں تقسیمِ وطن کے نتیجے کنبہ کا کرب والم جابجا جھلکتا ہے۔ اصغر حسین مغربی پاکستان میں مہاجر ہیں اور اختر حسین اپنے آبائی وطن ہندوستان کو ترک کرنا نہیں چاہتے لیکن مالی بدحالی سے پریشان ہوکر ’’گردنیا‘‘ پاسپورٹ کے سہارے مشرقی پاکستان میں داخل ہوجاتے ہیں۔ وہاں انہیں ملازمت بھی مل جاتی ہے لیکن قیام بنگلہ دیش کے بعد بہاری ہونے کے جرم میں ہندوستان واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اختر حسین کو ہندوستان میں ایک اور مسئلہ کا سامنا کرنا پرتا ہے۔ ان کے گھر میں ان کے پاکستانی اعزہ واحباب کے خطوط آتے رہتے ہیں جن کو بنیاد بنا کران پر الزام لگتا ہے کہ ان کے گھر میں ٹرانسمیٹر کے ذریعے پاکستان کو خفیہ خبریں پہنچائی جاتی ہیں۔ حالانکہ اس کے برعکس اختر حسین کا رویہ یہ ہے کہ بنگلہ دیش کی خبریں پاکستان ریڈیوں کے ذریعے سننا پسند نہیں کرتے۔ ان کے گھر کی تلاشی سی بی آئی لیتی ہے۔ اس مسئلے کے تجزیے میں عبدالصمد نے حقیقت نگاری کے جوہر دکھائے ہیں اور سیاست کی دوہری شاطرانہ چال کو بے نقاب کیا ہے کہ ایک طرف تو سیکولرزم ہونے کی دعویداری ہے اور دوسری جانب قوم پرور مسلمانوں کو شک وشبے کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اختر حسین کی وطن پرستی اپنے بیٹے حامد کو پناہ دینے سے روکتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ڈھاکہ کے حالات حامد کے لئے درست نہیں ہیں۔

عبدالصمد نے آزادی سے چند برس قبل سے لے کر تقریباً پچیس تیس برس بعد تک کی سیاست کا جیسا مربوط مسلسل اور موثر بیان ''دوگز زمین'' میں پیش کیا ہے وہ لاجواب ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاست، فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ووٹ کا Polarisation اور اس کے نتائج، ملک کی آزادی اور اس کے بعد آزاد ہندوستان کے سیکولر لیڈروں کی بدمستی، نیشنلسٹ مسلمانوں کی ناقدری، زمینداری کا خاتمہ اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی مالی بدحالی، سیاسی رہنماؤں کی مفاد پرست سیاست اور لوٹ کھسوٹ کے سبب روزافزوں بے روزگاری، اس کے سبب مسلمانوں کی مشرقی یا مغربی پاکستان کی طرف ہجرت، پھر بنگلہ دیش کا قیام اور قتل و غارت گری، ہندوستان میں ایمرجنسی کا نفاذ اور کانگریس کی شکست، پاکستان میں مہاجرین کی درگت اور تلاشِ رزق میں عرب ممالک کی طرف روانگی، یہ وہ بنیادی موضوعات ہیں جو اس ناول کا تانا بانا تیار کرتے ہیں اور بالکل صاف ستھرے اور سچے طریقے سے اس طرح سامنے آتے ہیں کہ ان میں خیال آفرینی کا شبہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ سارے احوال واقعات کی کڑیوں سے لپٹ کر بڑے فطری انداز میں پیش ہوئے ہیں جیسے از خود کوئی پودا نمو پذیر ہوتا ہے، پھر اس میں برگ و بار آتے ہیں اور پھر وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عبدالصمد نے کمالِ فن کاری سے ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات کو زیب داستان بنایا ہے جن کی حیثیت بعد میں ناگزیر بن کر ابھرتی ہے اور جو ناول کے بنیادی ڈھانچے کو مضبوط بناتے ہوئے اسے تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ مثلاً اصغر حسین اور اختر حسین کی سرد جنگ، اصغر حسین کا بہار شریف آنا جانا، اسلام پور سے پٹنہ تک کا سفر، متعلقین کے ساتھ گفت و شنید، مسلم لیگ کا الیکشن، نواکھالی کا فساد اور قتل و غارت گری کے واقعات وغیرہ۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے واقعے ہیں، مگر ایک بڑے مقصد کا جزو بن جاتے ہیں۔ یعنی اس وقت کے مسلمانوں کی نفسیاتی اور جذباتی کیفیات کا احاطہ کرنا۔ یہ مقصد بحسن و خوبی پورا ہوتا ہے کیوں کہ حصول آزادی کے آخری چند سالوں سے قیام بنگلہ دیش تک بہاری مسلمان جتنے المیہ موڑوں سے گزرے ہیں ان کی ایسی کوئی تاریخ ''دوگز زمین'' کے سوا نہیں ملتی جس میں عوامی سطح پر جز جز معلومات فراہم کر دی گئی ہوں اور جس میں مسلمانوں کی نفسیاتی و جذباتی کیفیات کی زندہ تصویریں محفوظ ہو گئی ہوں۔

قصہ کا آغاز جنوبی بہار کے ایک قصبہ 'بین' سے ہوتا ہے۔ سیاسی تاریخی اعتبار سے یہ زمانہ خلافت تحریک اور قومی آزادی کی تحریک کا زمانہ ہے۔ شیخ الطاف حسین ایک زمیندار ہیں اور عصری سیاست میں سرگرم ہونے کی وجہ سے

انھوں نے 'بین' کو مذکورۂ بالا دونوں تحریکوں کا مرکز بنا رکھا ہے۔ان کی شادی ایک سیدانی بی بی سے ہوتی ہے جو بی بی صاحبہ کے لقب سے بصد احترام یاد کی جاتی ہیں۔ان ہی کے ایما پر الطاف حسین 'بین ہاؤس' کے نام سے بہار شریف میں ایک حویلی تعمیر کراتے ہیں اور اپنی فیملی کے ساتھ شہر میں آباد ہو جاتے ہیں۔ بہار شریف میں سکونت اختیار کرنے کے بعد ان کی سیاسی سرگرمیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ پٹنہ سیاست کا صوبائی مرکز ہے تو بہار شریف علاقائی مرکز بن جاتا ہے اور گاندھی، نہرو، آزاد جیسے قومی سیاستدانوں کی بھیڑ لگنے لگتی ہے۔الطاف حسین کے دو بڑے بیٹے سرور حسین اور اصغر حسین ایک طرف دولت علم سے آراستہ ہوتے ہیں تو دوسری طرف اختر حسین جو الطاف حسین کے بھتیجہ ہیں وکالت پاس کرتے ہیں۔شیخ صاحب اپنی بڑی بیٹی عصمت بی بی سے اختر حسین کی شادی کر دیتے ہیں۔ادھر سرور حسین اور اصغر حسین کی بھی شادی ہو جاتی ہے۔

الطاف حسین محض ۴۵/ برس کی عمر میں رحلت فرماتے ہیں اور اب 'بین ہاؤس' کی سرپرستی اختر حسین کے ذمّے لگ جاتی ہے کیونکہ اصغر حسین اپنے سسرال اسلام پور میں بسے ہوتے ہیں، وہ سسرالی جائیداد کے تنہا وارث ہیں۔سرور حسین پٹنہ میں آباد ہیں۔اختر حسین میں الطاف حسین کی ساری خوبیاں موجود ہیں چنانچہ الطاف حسین کی روایات نہ صرف یہ کہ برقرار رہتی ہیں بلکہ پروان بھی چڑھتی ہیں۔اختر حسین سیاست میں الطاف حسین سے بھی آگے جاتے ہیں۔وہ اپنے ماموں کی طرح ہی پکے نیشنلسٹ کانگریسی ہیں لیکن اصغر حسین حالات کی نامساعدت سے متاثر ہو کر لیگی سیاست سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ بہار شریف آتے ہیں تو بین ہاؤس میں ہی ایک طرف کانگریسی سرگرمی اور دوسری طرف لیگی سرگرمیوں کا منظر دکھائی دیتا ہے۔خاندانی روایات اور تہذیبی وضع داریاں زندہ ہیں کہ باہمی چپقلش کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اصغر حسین ہر طرح سے اختر حسین کا احترام اور ادب کرتے ہیں۔ اختر حسین بھی ان کا لحاظ رکھتے ہیں۔ بہر حال حالات بد سے بدتر ہوتے ہیں۔ ۱۹۴۶ء کا خون آشام المیہ سامنے آتا ہے اور ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم کے سانحے سے گزرتا ہے۔اصغر حسین اور سرور حسین تقسیم کے بعد پاکستان چلے جاتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ کم از کم والدہ بھی پاکستان آ جائیں لیکن بی بی صاحبہ اس کے لیے راضی نہیں ہوتیں، اختر حسین اپنے موقف پر جمے رہتے ہیں۔وہ کانگریس کے تنظیمی شعبے سے متعلق ہیں اور بہار شریف ضلع کانگریس کے صدر ہیں جب ملک میں اپنا نیا قانون لاگو ہوتا ہے تو پہلا عام انتخاب ہوتا ہے۔رفقاء کار کے اخلاقی دباؤ کی وجہ سے اختر حسین

امیدواری کی درخواست دیتے ہیں اور کافی تگ و دو کے بعد ٹکٹ ملتا ہے۔انتخاب میں کامیاب ہوتے ہیں اور نائب وزیر کی حیثیت سے اوقاف کے شعبہ میں شامل کر لیے جاتے ہیں۔

ناول نگار نے عہد متعلقہ کی سیاسی صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ جب نہرو رپورٹ شائع ہوئی تو مسلم لیگی لیڈروں نے مسلمانوں کو ورغلایا کہ کانگریس آزادی حاصل کرنے کے بعد ان کو ہندوؤں کا غلام بنا دینا چاہتی ہے جبکہ مسلمان اس ملک میں سات سو برسوں تک حکومت کر چکے ہیں چنانچہ تحریک آزادی کے سرکردہ مجاہدین کے ساتھ ساتھ عام مسلمان عوام کا ایک بڑا حلقہ لیگی قیادت کی طرف جھک گیا اور مسلم لیگ، کانگریس کے بالمقابل قومی حریف کی حیثیت سے صف آراء ہوگئی۔بعض سرکردہ مسلمان کانگریس سے اس وجہ سے بددل ہوئے کہ کانگریسی ممبران ہندومہا سبھا میں نہ صرف گھسنے لگے تھے بلکہ زہریلی تقریریں بھی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علاقہ اور مذہب کی بنیاد پر آزادی کی قومی تحریک بٹ گئی تھی پہلے کوئی ہندو تھا، کوئی مسلمان اور کوئی سکھ، پارٹی اور پالیٹکس ذیلی اور ضمنی حیثیت رکھتی تھی۔ ہندو آبادی والے علاقے میں مسلم لیڈروں کی کوئی وقعت نہیں تھی اور مسلم آبادی والے علاقے میں ہندو لیڈر بے وقعت ہو رہے تھے۔

'بین ہاؤس' کبھی خلافت اور آزادی دونوں تحریکوں کا مرکز تھا، اب زمانہ بدلا اور حالات بدلے تو وہی 'بین ہاؤس' کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی سیاست کا گہوارہ بن گیا۔ دراصل اختر حسین تو نیشنلسٹ کانگریسی تھے اور بین ہاؤس میں ان کی حیثیت ایک بزرگ سرپرست کی سی تھی۔ان ہی کی وجہ سے 'بین ہاؤس' کانگریسی سیاست کا علاقائی مرکز تھا جبکہ شیخ الطاف حسین کے بیٹے اصغر حسین جو اختر حسین کے ماموں زاد بھائی اور سالہ بھی تھے، مسلم لیگ سے وابستہ ہو چکے تھے اور ان کا علاقائی سیاسی مرکز گرچہ اسلام پور تھا لیکن بہار شریف میں 'بین ہاؤس' ان کے والد بزرگوار کی حویلی تھی چنانچہ جب وہ بہار آتے تو بین ہاؤس میں لیگی سیاست کی سرگرمیاں بڑھ جاتیں۔ جلسے ہوتے، ضیافت میں اصغر حسین اختر حسین کو بھی مدعو کرتے جوان کو کسی بھی حال میں گوارا نہ ہوتا لیکن انھیں اندر ہی اندر کوفت اور اذیت تو جھیلنی ہی پڑتی تھی۔ دوسری طرف ۱۹۴۶ء کے فسادات میں بہار شریف کے مسلمانوں کے بیشتر علاقے صاف ہو گئے اور مسلمانوں کے پشتوں کے جمے جمائے قدم یہاں سے اکھڑ گئے۔وہ عزت آبرو اور جان مال سے بھی گئے۔ جائداد یا تو چھوڑ کے بھاگے یا اونے پونے میں فروخت کر گئے۔یہی حال اصغر حسین کا بھی ہوا۔مگر وہ پاکستان جا کر اپنی پوزیشن

بنانے میں کامیاب ہوگئے کیوں کہ پہلی کھیپ میں بھاگے تھے اور اونے پونے بیچی ہوئی جائداد سے جو دولت ہاتھ لگی تھی وہ ساتھ لے گئے تھے۔ بعد کو الطاف حسین کے بڑے بیٹے سرور حسین بھی پاکستان ہجرت کر گئے۔

اختر حسین نے وکالت شروع کر دی تھی لیکن سیاست ان کے مورث الطاف حسین کی چھوڑی ہوئی وراثت کے طور پر ساتھ لگی تھی چنانچہ ضلع کانگریس کمیٹی بہار شریف کے دباؤ ڈالنے پر انھیں انتخاب کے لیے میدان میں آنے پر آمادہ ہونا پڑا اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اس علاقے سے ایک پرانے لیگی اور نئے کانگریسی کو کانگریس کے صوبائی صدر نے ٹکٹ دینے کی پرزور تجویز رکھی تھی اور یہ بات ضلع کانگریس کو بری طرح کھل گئی تھی۔ اختر حسین ضلع کانگریس کے صدر تھے، اس کے باوجود وہ ضبط کر گئے لیکن ایک دوسرے فعال اور سرگرم رکن اور اختر حسین کے قریبی دوست اجودھیا بابو تو بالکل ہی پھٹ پڑے۔ اختر حسین کو سیاسی گر سمجھاتے ہوئے انھوں نے یہ تاثر دیا کہ ہم سیاست کی دیوی کے پجاری ضرور ہیں لیکن کسی مندر کے پجاری نہیں کہ جائز اور ناجائز سب کچھ خاموشی سے برداشت کر لیں۔ اجودھیا بابو نے اختر حسین کو ساتھ لیا اور پٹنہ جا کر صوبائی صدر سے ملے تو ان کا موقف یہ تھا کہ محمد یونس کو اس علاقے سے ٹکٹ اس لیے دیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں پر ان کا اثر اختر حسین کے مقابلے میں زیادہ ہے چنانچہ پارٹی کے مفاد میں یہی بہتر ہے کہ اس فیصلے کے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا جائے۔ یہ خود غرضانہ پالیسی، اجودھیا بابو کے حلق سے نیچے نہ اتر سکی اور انھوں نے اختر حسین کو ساتھ لے کر دلی کی دوڑ لگا دی۔ اس مہم میں وہ کامیاب ہوئے۔ نہرو جی اور مولانا آزاد تک یہ بات پہنچا دی تو اختر حسین کو ٹکٹ مل گیا اور وہ انتخاب میں کامیاب ہو بھی گئے لیکن وزارت میں انھیں نائب کی حیثیت سے شامل کیا گیا اور بعد میں وزیر اعلیٰ نے محمد یونس کو پہلے ممبر آف لیجس لیٹو کونسل منتخب کرایا اور جب وزارت کی نئی تشکیل عمل میں آئی تو انھیں اختر حسین کے سر پر بٹھلا دیا۔ اس طرح ''آجک بنیا کا لک سیر'' کے مصداق محمد یونس نے اختر حسین پر سبقت حاصل کر لی۔ دراصل کانگریس نے اکثر و بیشتر اپنے فرماں برداروں اور جانثاروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جس کے نتیجے میں اس کی بنی بنائی ساکھ بری طرح سے گرنے لگی اور جب وہ عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی تو اس نے غنڈہ گردی کو بڑھاوا دیا اور قانون کی خلاف ورزی کر کے جب پھنسی تو قانون ہی کو بدل ڈالا۔ اس سلسلے میں الہ آباد ہائی کورٹ سے اندرا گاندھی کی شکست، ایمرجنسی کے نفاذ اور ایمرجنسی کے بعد شکست اور پھر بوتھ قبضہ کرنے کی روایت کی تشکیل سے اقتدار حاصل کرنے کے واقعات تک کی تفصیل ناول

نگار نے اپنے ناول میں پیش کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ناول نگار نے کانگریس کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ لیکن میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے کانگریس کی دکھتی رگ پر بڑی فنکارانہ مہارت کے ساتھ انگلی رکھی ہے۔ کانگریس نے فساد اور فسادیوں کی حوصلہ افزائی اپنی مقصد براری کے لیے کی۔ قانون کے وقار اور اس کی بالادستی کا اعتبار کم کیا۔ بے کاری اور بے روزگاری کے فروغ میں نمایاں کارکردگی انجام دی۔ اہلیت پر نااہلیت کو ترجیح دے کر سماجی انصاف کا مخول اُڑایا۔ کالا بازاری اور رشوت خوری کی حوصلہ افزائی کی۔ سیاست میں علاقائیت اور اونچ نیچ کے بھید بھاؤ کو ختم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اس نے تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر زر پرستی، کنبہ پروری اور اخلاق باختگی کے رجحان کو فروغ دینے میں جو کچھ ہو سکتا تھا وہ سب کچھ کیا۔

لیکن ناول نگار واقعات کے تسلسل میں بہتا ہوا جب آگے بڑھتا ہے تو سیاست کا منفی رویہ بنگلہ دیش اور پاکستان میں بھی ایسا ہی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ ہندوستان بالخصوص کانگریسی دور اقتدار میں دیکھتے ہیں۔

ناول نگار نے اس اہم نکتے کی بھی نشاندہی کی ہے کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ہندستان کے مسلم باشندوں کی ہجرت کا سلسلہ رکا اور وہ ذہنی طور پر بھی ہندستان میں آباد ہونے لگے۔ اس سے قبل اکثر مسلمان ذہنی طور پر بھی ہندستان میں آباد نہیں تھے وہ ہجرت کے لیے موقع کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ اب جب سے وہ ذہنی طور پر بھی ہندستان میں آباد ہونے لگے ہیں تو نامساعد حالات سے مفاہمت کی قوت وصلاحیت بھی ان میں پیدا ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی توجہ عرب ممالک میں ملازمت کے موقع کی طرف مبذول ہوئی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو رہی ہے دوسری طرف ملک کا بھی فائدہ ہو رہا ہے لیکن ہندستان میں فرقہ وارانہ فسادات کے تواتر وتسلسل نے ہندو اور مسلمان دونوں طبقوں میں عدم تحفظ کے احساس کو اس قدر فروغ دیا ہے کہ اب الگ الگ کالونیاں آباد ہونے لگی ہیں۔ اس سے عدم اعتماد کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو علاحدگی پسندی کے میلان کو فروغ دیکر ملک کے اتحاد اور سالمیت کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے۔ یہ طے ہے کہ مستقبل میں کیا ہوگا، کسی کو اس کی خبر نہیں لیکن مستقبل کے امکانات کی پیش بینی اور پیش قیاسی فنکار اپنی وجدانی صلاحیتوں کی بنا پر کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔ لیکن وجدانی بصیرتیں بالعموم جواز کی محتاج نہیں ہوتیں۔ عبدالصمد کی پیش بینی اور پیش قیاسی میں تخلیقی بصیرت سے زیادہ تخیلی قوت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے تجزیے کو معقول منطقی جواز

دینے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔

''دوگز زمین'' سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالصمد کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور انہیں زبان و بیان پر بھی قدرت حاصل ہے۔انہوں نے مشاہیر ادب کے ساتھ ساتھ زندگی کا،سماج کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ان کے مشاہدات باریک اور عمیق ہیں۔اسی لئے اپنی کہانی کو تجربات و مشاہدات کے ذریعہ انہوں نے وہ حقیقی رنگ دے دیا ہے کہ اس پر تخیل کی کارفرمائی کا شبہ بھی نہیں ہو پاتا۔اس میں ان کے مخصوص اسلوب کی شگفتگی اور سلاست کا بھی بڑا اہم رول رہا ہے۔

☆☆☆

پروفیسر اسلم آزاد

پروفیسر بنگلا،رانی گھاٹ، پٹنہ ۸۰۰۰۰۶

E-mail- prof.aslamazaad@gmail.com

Mob. 9431063199